مولانا حسین علیؒ کا تصورِ نسخ فی القرآن

Maulāna Hussain Ali's Concept of Abrogation in the Qur’an

مقالہ نگار: ڈاکٹر حشمت علی صافی

اسسٹنٹ پروفیسر پرائم یونیورسٹی، پشاور / پوسٹ ڈاک فیلو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Email: hashmatalisafi@gmail.com

Abstract

Molāna Hussain Ali (Alwāni, Punjabi, Naqshbandi, Hanafi, Deobandi) 1867-1944 A.D./ 1283-1363 A.H. was one of the renowned scholars and commentators of Qur’an in recent past. He devoted his life for the study and propagation of Qur’anic teachings. His exertive insights into the Qur’anic knowledge has reflected in some of his unique researches that sets him apart from his contemporary scholars. His critique about the “Abrogation in Qur’an” is a valuable understanding/ study that is worth sharing. Former commentators (متقدمین) of Qur’an take “Abrogation” in its broader sense and consider many verses of Qur’an abrogated due to the slightest hint of abrogation. Therefore, early commentators title more than 500 verses in Qur’an as abrogated. Later commentators narrowed the scope of Abrogation down and classified abrogation as “the change in the rule of a Qur’anic verse rather than complete abrogation”. The change/ relaxation in the term definition allowed Imam Sayūti to declare only twenty of the Qur’anic verses abrogated. Furthermore, Imam Shah Wali Ullah’s exerted insight reduced the number to only five (5) and explicated for the 15 verses that were previously considered abrogated by Sayūti. While quoting the 5 abrogated verses from Shah Wali Ullah, Molāna Mufti Shafi R.A. desires of a scholar that can even explicate for these verses and can reduce the number down to zero. Molāna Hussain Ali, by his contemplation, exertive thinking, and vast study of the Qur’anic teachings and perhaps by inspiration (الہام) came up with the explanation of the said verses that they fell out of the stringent definition/ scope of Abrogation. This article sheds light upon the Molāna Hussain Ali’s study and contemplation of these 5 verses, that is not only unique but also very valuable in Qur’anic studies.

Keywords: Molāna Hussain Ali, Abrogation, Qur’anic studies.

مولانا حسین علی نقشبندیؒ (1867-1944ء بمطابق ۱۲۸۳-۱۳۶۳ھ) ماضی قریب کے ان مشاہیر علماء میں سے تھے۔ جنھوں نے قرآنی علوم کی تحقیق اور نشر اشاعت میں بڑی خدمات سر انجام دی ہیں۔ قرآنی علوم کے ساتھ ممارست کی وجہ سے انھوں نے بعض ایسی تحقیقات کی ہیں۔ جو ان کی اجتہادی بصیرت کی عکاسی کرتی ہے۔ جن میں سے ایک ان کا تصور نسخ ہے۔ قرآن کریم میں تصور نسخ کے حوالے سے مولانا حسین علی کی فکر ان کے معاصر مفسرین سے مختلف ہے گویا اس میدان میں ان کا تصور منفرد ہے۔

متقدمین نسخ کو اس کے وسیع مفہوم میں لیتے ہیں اور حکم میں ہر طرح کی معمولی تبدیلی کو بھی نسخ شمار کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے بھی زیادہ بن جاتی ہے مگر متاخرین نے اس کا دائرہ تنگ کیا ہے۔ وہ نسخ کو رفع حکم کے معنوں میں لیتے ہیں، امام سیوطیؒ نے بیس آیات کو مسنوخ قرار دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان بیس منسوخ آیات میں مزید تحقیق و تدقیق کرتے ہوئے صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہیں جب کہ باقی پندرہ آیات میں تاویل و توجیہ کی ہے۔ جس کی وجہ سے ان آیات کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مولانا مفتی محمد شفیعؒ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک منسوخ آیات پر تحقیقات نقل فرماتے ہوئے اس خواہش کا اظہار فرماتے تھے کہ کوئی ایسا مفسر ہو جو ان منسوخ آیات کی تعداد کو پانچ سے صفر تک پہنچا دے۔ مفتی صاحب کی خواہش کی تکمیل مولانا حسین علیؒ نے کی۔ انھوں نے تفکر وتدبر سے کام لیتے ہوئے ان پانچ آیات کا ایسا مفہوم پیش کیا کہ انھیں منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت ہی نہ رہی۔

موصوف نسخ کی تحقیق میں شاہ ولی اللہؒ کی توجیہات سے استفادہ کرتے ہوئے یہی اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح نسخ کو کم کرنے کے لئے وہ آیت کے ترجمہ میں کسی دوسری آیت سے مدد لیتے ہیں۔ جس سے منسوخ آیات کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ مثلاً ان پانچ آیات میں سے پہلی آیت سورۃ بقرۃ کی آیت نمبر 180 ہے۔ جو جمہور مفسرین کے مطابق اس آیت میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے متعلق جس وصیت کا حکم ہے اُسے آیت وراثت نے منسوخ کر دیا ہے۔ مگر مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ ”بالمعروف“ یہاں ”بالامر الشرعی“ ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والا حکم شرعی کے مطابق تقسیم وراثت کی وصیت کرے۔

اس طرح اسے منسوخ الحکم کہنے کی ضرورت پیش نہیں رہی۔ موصوف کا یہ منہج جمہور کے اس عمل کی ایک کڑی ہے جس کے مطابق انھوں نے منسوخ آیات کی تعداد کو پانچ سوسے پانچ تک پہنچایا۔ مولانا حسین علیؒ نے تحقیق کرکے ان پانچ آیات کی بھی توجیہ کرکے منسوخ آیات کو صفر تک پہنچایا۔ یہ ایک منفرد تحقیق ہے جس کی مثال دیگر مفسرین کی تحقیق میں نہیں ملتی ہے۔ گویا تفسیری میدان میں نسخ کی اس جدید رجحان کی تعبیر وتشریح میں مولانا حسین علیؒ کی تحقیقات کا مطالعہ ایک اہم علمی ضرورت ہے۔ اس لیے اس مقالے میں مذکورہ پانچ آیات میں عدم نسخ کے بارے میں مولانا حسین علی کی توجیہات اور تحقیقی مواد کا جائزہ لیا جائے گا۔

نسخ کا لغوی مفہوم

امام زہری لکھتے ہیں: اَلنَّسْخُ: اِكتتابک كتابًا عن كتاب حرفًا، تقولُ: نسخْتُهُ وانتَسَخْتُهُ، فالأصلُ نسخَةٌ، والمكتوب منه نسخةٌ، لأنه قام مقامه، والكاتبُ ناسِخٌ ومنتسخٌ[1]۔ ”نَسَخَ، اِنْتَسَخَ اور اِسْتَنْسَخَ کے معنیٰ ہیں: اُس نے سامنے رکھی ہوئی کتاب سے لکھ لیا اور اُس کی نقل اُتار لی۔ اصل کتاب کو بھی نسخہ کہتے ہیں اور اُس سے نقل کی گئی دوسری کتاب کو بھی نسخہ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ اُس کی قائم مقام ہوتی ہے، لکھنے والے کو نَاسِخٌ اور مُنتسِخٌ کہا جاتا ہے“۔ نَسَخَ فعلِ مجرد کا مصدر ہے، جس کے معنی لکھنے کے ہیں، جب کہ اِنتِسِاخ باب افتعال کا مصدر ہے جس کے معنی بڑی کوشش اور محنت سے لکھنے کے ہیں۔ اِستِنساخ باب استفعال سے مصدر کا صیغہ ہے، جس کے معنی ہیں: لکھوانا اور لکھنے کا حکم دینا۔

نَسَخْ لکھنے اِستِنساخ لکھوانے کے معنوں میں قرآن مجید میں بھی مستعمل ہے۔

وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدىً وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ۔[2]

”اور اُس کے نوشتہ میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت تھی، جو اپنے رب سے ڈرنے والے تھے۔"

نُسْخَةٌ کسی تحریر کی حرف بحرف نقل کو بھی کہتے ہیں۔ اصل تورات چونکہ انہی الواح کی نقل تھی اس وجہ سے تورات کو ”اُس کے نسخہ“ سے تعبیر فرمایا“۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔[3]

”یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے اوپر ٹھیک ٹھیک گواہی دے گا۔ ہم لکھواتے رہے ہیں جو کچھ تم کرتے رہے ہو“۔

نَسَخْ کے دوسرے لغوی معنی مٹانے اور ہٹانے کے ہیں، جو قرآن مجید میں مستعمل ہے۔

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ۔[4]

”پس اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے (وسوسوں) کو مٹا دیتا ہے)“۔

نسخ کا شرعی مفہوم

نَسَخْ کے شرعی معنی ہیں: انه عبارةٌ عن رفع الحکم الشرعی بدلیلٍ شرعی مُتَاَخِّرٍ۔(5) یعنی "کسی شرعی حکم کو بعد میں آنے والی شرعی دلیل کے ذریعے اُٹھالینا"۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اسی شرعی معنی میں اس آیت کریمہ میں استعمال ہوا ہے: مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا۔(6) یعنی "جو کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اُس کو نظر انداز کرتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس کے مانند دوسری لاتے ہیں"۔

یہود مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جب قرآن مجید سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اور تورات کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو پھر تورات کے احکام کے ردوبدل کے کیا معنیٰ؟ کیا اللہ تعالیٰ اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو خود اپنے ہی ہاتھوں بدلتا ہے۔ کیا اب تجربہ کے بعد اللہ تعالیٰ پر اپنی غلطیاں واضح ہو رہی ہیں اور وہ اُن کی اصلاح کر رہا ہے؟

اس قسم کے اعتراضات اٹھا کر یہود مسلمانوں کو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قرآن مجید نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تورات کا جو قانون منسوخ کیا جاتا ہے، اُس سے بہتر قانون اُس کی جگہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح تورات کے جو احکام یہود نے فراموش کر دیے تھے، ان کی تجدید کی جاتی ہے اور اگر تجدید نہیں کی جاتی بلکہ اُن کو نظر انداز کرایا جاتا ہے تو اُن سے ملتے جلتے احکام دیے جاتے ہیں۔ یعنی اس تبدیلی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایک تو خوب سے خوب تر کی طرف بڑھا رہا ہے۔ دوسرے دین کی جو دولت ضائع کر دی گئی تھی اُس کی جگہ دین کے خزانہ کو نئی دولت سے معمور کر رہا ہے۔ ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو قابلِ اعتراض قرار دی جاسکے۔

قرآن کریم میں یہ بھی وارد ہے کہ: وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔(7) "اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بھیجتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اُتارتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے جی سے گھڑ لینے والے ہو، بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے"۔

اس میں آیۃ سے مراد کوئی حکم شرعی ہے۔ یہ اُن اعتراضات کی ایک مثال ہے جو یہود لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے لیے قرآن کریم کے خلاف اُٹھاتے تھے۔ فرمایا کہ جب ہم ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدلتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تم تو نرے مفتری ہو۔ اپنے جی سے ایک بات گھڑتے ہو اور لوگوں پر دھونس جمانے کے لیے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہو، ورنہ اس کے کیا معنی کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ ایک قانون بنائے اور پھر اس قانون کو خود ہی دوسرے قانون سے بدل دے۔

یہ اشارہ تحریم و تحلیل اور یوم السبت کے باب میں اُن احکام کی طرف، جن کا حوالہ اسی سورۃ النحل میں آیات: ۱۱۴، ۱۱۶، اور ۱۲۴ میں آیا ہے۔ قرآن مجید نے جب اس امت کے لیے یوم السبت کی حرمت ختم کر دی اور کھانے پینے کے باب میں وہ احکام دیے جو ملت یہود یا ملت مشرکین کے بجائے ملت ابراہیم علیہ السلام پر مبنی تھے تو یہود نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ دیکھو یہ شخص ایک طرف تو ہماری شریعت کو اللہ تعالیٰ کی شریعت مانتا ہے اور دوسری طرف اس کے احکام کو ان مختلف احکام سے بدلتا ہے۔ اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام کو کس طرح بدل سکتا؟ اس وجہ سے ہمارے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں بلکہ۔ نعوذ باللہ۔ ایک مفتری ہے یہ بات کہی تو یہود نے لیکن یہ بے سمجھے بوجھے قریش کے اُن لیڈروں نے بھی دہرانی شروع کر دی جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کہی ہوئی ہر بات کو اپنی تائید میں سمجھتے تھے۔

نسخ سے متعلق متقدمین کا تصور

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: وفصل الخطاب : ان لفظ النسخ مجملٌ، فالسلف كانوا يستعملونه فيما يظنُّ دلالة الآية عليه، من عمومٍ او اطلاق او غير ذلک۔[8]

"اس باب میں فیصلہ کن قول یہ ہے کہ نسخ کا لفظ مجمل اور ذو معنیین ہے۔ سلف صالحین اس کا اطلاق اس حکم کے منسوخ ہونے پر بھی کرتے تھے جس کے بارے میں عموم اور اطلاق وغیرہ کی وجہ سے یہ گمان کیا جاتا ہے ہو کہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے"۔

حافظ ابن تیمیہ نے اس کی تین مثالیں پیش فرمائی ہیں:

یاایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقيه.[9] یعنی "ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"۔ اور وجهدوا في الله حق جهاده .[10] یعنی "اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا ہے"۔ ان دونوں آیتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ: فاتقوا الله ما استطعتم.[11] یعنی "سو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالی سے ڈرو"۔ سے منسوخ ہو چکی ہے حالانکہ ان آیات کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے لیکن چونکہ بعض لوگ حق تقتیہ اور حق جھاد کا مفہوم ہی لے سکتے ہیں کہ ان آیتوں میں ایسے کام کا حکم دیا گیا جو بندے کی استطاعت سے باہر ہے تو اللہ تعالی نے ما استطعتم کے ذریعے اس غلط فہمی کا ازالہ فرمادیا اور وضاحت فرمادی کہ تقوی اور جہاد کا حق یہ ہے کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ تقوی اختیار کیا جائے اور جہاد کیا جائے۔ اور تیسری آیت انہوں نے بھی پیش فرمائی ہے کہ: وإن تبدوا ما في أنفسكم أو تخفوه يحاسبكم به الله [12] "تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تعالی تم سے اس کا حساب لے گا"۔

ما فی انفسکم کے عموم میں وساوس اور خواطر بھی شامل ہیں اور عقائد و عزائم بھی اس لیے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اگر ہمارے دلوں میں چھپی ہوئی ہر بات کا حساب لیا جائے گا تو پھر ہماری نجات نہ ہو سکے گی اس لیے کہ وساوس اور خواطر سے بچنا تو ہمارے بس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ: لايكلف الله نفسا إلا وسعها.[13]

"اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

بعض صحابہ کرام اور تابعین سے مروی ہے کہ لایکلف اللہ نفسا الا وسعها سے وان تبدوا مافی انفسکم أو تخفوه يحاسبكم به الله منسوخ ہو چکی ہے لیکن انہوں نے اس میں تخصیص کو نسخ کا نام دیا ہے، جو اُن کی اصطلاح ہے ۔[14]

اور ابن قیمؒ نے سلف صالحین اصطلاح کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

عن ابن سيرين قال قال حذيفة إنما يفتي الناس أحد ثلاثة من يعلم ما نسخ من القرآن أو أمير لا يجد بدا أو أحمق متكلف قال فربما قال ابن سيرين فلست بواحد من هذين ولا أحب أن أكون الثالث.

قلت مراده ومراد عامة السلف بالناسخ والمنسوخ رفع الحكم بجملته تارة وهو اصطلاح المتأخرين ورفع دلالة العام والمطلق والظاهر وغيرها تارة إما بتخصيص أو تقييد أو حمل مطلق على مقيد وتفسيره وتبيينه حتى إنهم يسمون الاستثناء والشرط والصفة نسخا لتضمن ذلك رفع دلالة الظاهر وبيان المراد فالنسخ عندهم وفي لسانهم هو بيان المراد بغير ذلك اللفظ بل بأمر خارج عنه ومن تأمل كلامهم رأى من ذلك فيه ما لا يحصى وزال عنه به إشكالات أوجبها حمل كلامهم على الاصطلاح الحادث المتأخر.[15]

امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حذیفہؓ نے فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو فتویٰ تین میں سے کوئی ایک ہی شخص دیتا ہے۔ ایک وہ عالم جو قرآن کریم کی منسوخ آیات کو جانتا ہو۔ دوسرا امیر جو فتوی دینے اور فیصلہ کرنے سے جان نہیں چھوڑ سکتا اور تیسرا وہ جاہل جو تکلفی اور بناوٹی فتوے دیتا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ امام ابن سیرینؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں پہلے دو میں تو شامل نہیں ہوں اور تیسرا بننا مجھے پسند نہیں ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے

ہیں کہ سیدنا حذیفہؓ اور عام سلف کی ناسخ و منسوخ سے بھی مراد یہ ہوتی تھی کہ عام کے عموم کو خصوص کے ذریعے مطلق کے اطلاق کو قید لگانے کے ذریعے اٹھالیا جائے یا ظاہری مفہوم کو بیان ووضاحت کے ذریعے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ سلف استثناء شرط اور صفت کو بھی ان کا نام دیتے تھے اس لیے کہ یہ تینوں بھی ظاہری معنی کو ملتے ہیں اور اصل مراد کی وضاحت کرتے ہیں۔ تو سلف کی اصطلاح میں کسی لفظ کے معنی گرادینا یا دوسرے لفظ کے ذریعے وضاحت کرنے کو بھی نسخ کہا جاتا ہے جو بھی سلف کے کلام سے واضح ہوتا ہے تو اس اصطلاح کی بہت سی مثالیں دیکھ لے گا اور بہت سے ان اشکالات کا ازالہ ہو جائے گا جو متقدمین کی اصطلاح کو متاخرین کی اصطلاح پر محمول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں"۔

نسخ سے متعلق متاخرین کی رائے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر[16] میں ایک طویل عبارت نسخ سے متعلق تحریر فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں دو مذاہب ہیں ایک مذہب متقدمین کا ہے اور دوسرا مذہب متاخرین کا۔ متقدمین نسخ کو اس کے وسیع معنوں میں لیتے تھے یعنی وصفِ آیت کے مطلق تغیر کو نسخ کہتے تھے، لہٰذا ان کے نزدیک پانچ سو بلکہ اس سے زیادہ آیات منسوخ ہیں جب کہ متاخرین نے نسخ کو محدود معنیٰ میں استعمال کیا یعنی آیت کا حکم مع التلاوۃ یا بدون التلاوۃ اٹھا دینے کو نسخ کہہ دیتے ہیں۔

اس معنی کے بموجب شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں نہایت بسط تقریر سے ثابت کیا ہے کہ قرآن میں بیس آیات سے زیادہ منسوخ نہیں ہیں، پھر ان میں سے شاہ صاحب نے الفوز الکبیر میں چار آیات کا منسوخ ہونا تسلیم کیا ہے اور باقی کا جواب دیا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ [وفات: ۱۳۹۷ھ] لکھتے ہیں: و الشيخ أي: المحدث الكبير الشاه أنورالكشميري كان يقول: لا يكاد يوجد شيئ في القرآن المتلو منسوخا في الحكم بحيث لا يبقى حكمه في وجه من الوجوه و محمل من المحامل بل لاجرم يوجد حكمه مشروعا في مرتبة من المراتب و حال من الأحوال و زمان من الأزمان وهذا الذي أفاده الشيخ أمر مهم دقة إن كنت من أهله ومن لم يذق لم يدر مثل سائرو من ذاق وذاق فله فيه حكم و بصائر.[17]

"ہمارے شیخ محدث کبیر شاہ انور کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے قریب نہیں کہ اس میں کوئی ایسی چیز مل جائے جس کا علم اس طرح منسوخ ہو گیا ہو کہ وہ کسی وجہ اور کسی محمل کے اعتبار سے بھی باقی نہ رہا ہو بلکہ اس کا علم کسی نہ کسی وجہ کے اعتبار سے کسی نہ کسی درجہ میں کسی نہ کسی حال میں اور کسی نہ کسی وقت میں ضرور مشروع اور زیرِ عمل رہے گا۔ شیخ کا یہ افادہ بڑا اہم ہے اگر تو اہل ذوق میں سے ہے تو اس کا مزہ چکھ لو اور جو صاحب ذوق نہ ہو وہ اس کی لطافت کا مزہ نہیں چکھ سکے گا جب کہ اہل ذوق کے لیے اس میں بڑی نعمتیں اور بصیرتیں پوشیدہ ہیں"۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں کہ:

متاخرین میں علامہ سیوطیؒ نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا۔ ان کے بعد شاہ ولی اللہ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ فرمایا ہے۔ آخری انکشاف شاہ ولی اللہؒ کا ہوا جس میں گھٹتے گھٹتے پانچ رہ گئی اور اب اس کا انتظار ہے کہ کوئی جدید محقق ان پانچ کا بھی خاتمہ کر کے بالکل صفر تک پہنچا دے۔[18]

متقدمین اور متاخرین کے تصور نسخ میں فرق

لفظ "نسخ" کے استعمال میں علماء متقدمین اور علماء متاخرین کے درمیان اصطلاح کا ایک فرق رہا ہے، جسے سمجھ لینا ضروری ہے۔ متقدمین کی اصطلاح میں لفظ "نسخ" ایک وسیع مفہوم کا حامل تھا، اور اس میں بہت سی وہ صورتیں داخل تھیں جو بعد کے علماء کی اصطلاح میں "نسخ" نہیں کہلاتیں، مثلاً متقدمین کے نزدیک عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ بھی "نسخ" کے مفہوم میں داخل تھیں، چنانچہ اگر ایک آیت میں عام الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور دوسری میں انھیں کسی خاص صورت تک مخصوص کر دیا گیا ہے تو علماء متقدمین پہلی کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیدیتے ہیں

جس کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ پہلی آیت سے جو عموم سمجھ میں آتا تھا دوسری آیت نے اس کو ختم کر دیا ہے۔

مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے: لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ ”مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں“۔

اس میں ”مشرک عورتوں“ کا لفظ عام ہے، اور اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی مشرک عورتوں سے نکاح حرام ہے، خواہ وہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب، لیکن ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: وَالْمُحْصِنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوالْكِتٰبِ۔

"اور (تمھارے لیے حلال ہیں) اہل کتاب میں سے باعفت عورتیں“۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں ”مشرک عورتوں“ سے مراد وہ مشرک عورتیں تھیں جو اہل کتاب نہ ہوں، لہٰذا اس دوسری آیت نے پہلی آیت کے عام الفاظ میں تخصیص پیدا کر دی ہے، اور بتا دیا ہے کہ ان الفاظ سے مراد مخصوص قسم کی مشرک عورتیں ہیں۔ متقدمین اس کو بھی ”نسخ“ کہتے ہیں، اور پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف متاخرین کے نزدیک ”نسخ“ کا مفہوم اتنا وسیع نہیں، وہ صرف اس صورت کو ”نسخ“ قرار دیتے ہیں جس میں سابقہ حکم کو بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو محض عام میں تخصیص یا مطلق میں تقیید پیدا ہو جائے تو اسے وہ ”نسخ“ نہیں کہتے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں متاخرین یہ کہتے ہیں کہ اس میں نسخ نہیں ہوا، کیونکہ اصل حکم (یعنی مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت) بدستور باقی ہے، صرف اتنا ہوا ہے کہ دوسری آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ پہلی آیت کا مفہوم اتنا عام نہیں تھا کہ اس میں اہل کتاب کی عورتیں بھی داخل ہو جائیں، بلکہ وہ صرف غیر اہل کتاب کے ساتھ مخصوص تھی، اصطلاح کے اس فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ معمولی فرق کی وجہ سے ایک آیت کو مسنوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دے دیتے تھے، لیکن متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت کم ہے۔

شیخ حسین علیؒ کا تصور نسخ فی القرآن

مولانا حسین علیؒ نے تحقیق کر کے ان پانچ آیات کی بھی توجیہ کر کے منسوخ آیات کو صفر تک پہنچایا۔ یہ ایک منفرد تحقیق ہے جس کی مثال دیگر مفسرین کی تحقیق میں نہیں ملتی ہے۔ گویا تفسیری میدان میں نسخ کی اس جدید رجحان کی تعبیر و تشریح میں مولانا حسین علیؒ کی تحقیقات کا مطالعہ ایک اہم علمی ضرورت ہے۔ ذیل میں مذکورہ پانچ آیات میں عدم نسخ کے بارے میں مولانا حسین علیؒ کی توجیہات اور تحقیقی مواد کا جائزہ لیا ہے۔

شیخ حسین علیؒ نے ان پانچ آیات کا نسخ بھی تسلیم نہیں کیا اور ان کی تاویل کی ہے، ذیل میں ان کے جوابات کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

1۔ آیت وراثت کی تطبیق

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمُوْتَ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔[19]

”تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والوں پر یہ حق ہے“۔

اس آیت کو مفسرین نے یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثین[20] سے منسوخ قرار دیا ہے کہ پہلے وصیت کا حکم والدین اور اقربین کے لیے تھا پھر وراثت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کو آیت میراث[21] اور حدیث: الا لاوصية لوارثٍ[22] نے منسوخ کیا ہے۔[23]

صاحب مدارکؒ نے کہا ہے کہ وقيل: هي غير منسوخة لأنها نزلت في حق من له سبب الكفر لأنهم كانوا حديثي عهد بالإسلام يسلم الرجل ولايسلم أبواه اقرباه الإسلام قطع الإرث، فشرعت الوصية فيما بينهم قضاء لحق القرابة ندب و الايراد بكتب :فرض۔[24]

"کہا گیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نئے مسلمان ہوتے تھے۔ایک آدمی اسلام قبول کر لیتا لیکن اس کے والدین اور رشتے دار اسلام قبول نہ کرتے اسلام نے ایسے لوگوں کو مسلمانوں کی وراثت سے محروم کر دیا ہے اس لیے وہ مرنے کے وقت اپنے والدین کے واسطے بطریق ندب (مستحب ہونے) وصیت کرتے تھے اور اب بھی حکم ندبی باقی ہے اس معنی کے بموجب کُتِبَ کا معنی فرض والا نہ ہو گا"۔

مفسر طبری اس آیت کو منسوخ نہیں تسلیم کرتے چنانچہ لکھتے ہیں: هي محكمةٌ غير منسوخةٌ و إذا كان في نسخ ذلك تنازع بين أهل العلم لم يكن لنا القضاء عليه بأنه منسوخٌ إلَّا بحجة يجب التسليم لها إذ كان غير مستحيل إجتماع معكم هذه الآية و حكم آية المواريث في حالٍ واحدةٍ على صحة بغير مدافعة حكم إحداهما حكم الأخرى وكان الناسخ والمنسوخ هماالمعنيان اللذان لا يجوز إجتماع حكمهما على صحة في حالة واحدة النفي أحدهما صاحبه. [25]

"یہ آیت محکم ہے۔منسوخ نہیں ہے اور جب علماء کے مابین اس آیت کے منسوخ ہونے یا منسوخ نہ ہونے کے بارے میں اختلاف موجود ہے تو ہم اس کے منسوخ ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے مگر اس صورت میں کہ ہمارے پاس کوئی قابل تسلیم حجت موجود ہو اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت اور آیت مواریث کا حکم بیک وقت درست اور نافذ العمل ہو اس صورت میں کہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد بھی ہوں اور ناسخ و منسوخ تو ان احکام میں ہو تا ہے کہ ان دونوں کو بیک وقت نافذ العمل نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ ایک عام دوسرے خاص کی نفی نہیں کرتا ہے"۔

آگے لکھتے ہیں: قال بعضهم: لم ينسخ الله شيئامن حكمها و إنما هي آية ظاهرها عموم في كل و الد و والدة والقريب والمراد بها في الحكم البعضُ منهم دون الجميع و هو مَن لايرث منهم الميت دون من يرث و ذلك قول مَن ذكرتُ قوله و قول جماعة آخرين معهم.[26]

"بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالی نے اس آیت کا حکم بالکل منسوخ نہیں کیا اور اس کا تعلق ہر والد، والدہ اور رشتہ دار سے ہے جب کہ اس کا علم ہر والد، والدہ اور قریب سے تعلق نہیں بلکہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو وارث نہیں بن سکتے۔یہ ان علماء کا قول ہے جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے اور ان کے علاوہ علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہی قول ہے"۔

مفسر قرطبی لکھتے ہیں: اختلف العلماء في هذه الآية هل منسوخ أو محكمة فقيل: هي محكمة ظاهرها العموم و معناها الخصوص في الوالدين الذين لا يرثان كالكافرين و العبدين وفي القرابة غير الورثة قاله الضحاك وطاووس و الحسن واختاره الطبري.[27]

"اس آیت کے بارے میں علماء کی دو رائے ہیں کہ یہ منسوخ ہے یا محکم؟ کہا گیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے۔بظاہر اس کا تعلق عام مؤمنوں کے ساتھ ہے لیکن دراصل اس کا تعلق اُن خاص والدین سے ہے جن کی اولاد مومن ہے اور وہ ایمان قبول نہ کرنے کے باعث مومن اولاد کے وارث نہیں بن سکتے اسی طرح غیر وارث رشتہ دار اس کے مصداق ہیں لیکن مرنے والا مومن شخص اپنے غیر مؤمن والدین یا دوسرے غیر وارث رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے۔یہ ضحاکؒ طاؤوس اور حسن بصریؒ کی رائے ہے جسے امام طبریؒ نے پسند کی ہے"۔

شیخ حسین علی صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ بھی وراثت کا حکم جاری ہے اور بِالْمَعْرُوْفِ کا معنی بالأمر الشرعي ہے یعنی یہ ہو گا کہ اگر کوئی

شخص فوت ہونے والا ہو تو وہ مرنے کے وقت وصیت کرے کہ میرا مال متاع بموجب حکم شرعی تقسیم کرنا یعنی والدین اور اقربین کو وصیت کر جائے۔[28]

2۔ آیت قتال کی تطبیق

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِائَۃٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنْ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ۔[29]

"اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لیے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے"۔

اس آیت کو اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعِلَمْ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنَّ یَّکُنْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْامِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا أَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ .[30] سے منسوخ کیا۔[31]

"اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں کمزوری ہے اس لیے اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے نام سے دو ہزار پر غالب رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے"۔

شیخ حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے ابتدائی حصے اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِضِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ کو اگر منسوخ کریں تو وہ محض ترغیب علی القتال ہے جو منسوخ ہو ہی نہیں سکتی اور اگر اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ کو منسوخ کریں تو یہ خبر ہے اور اخبار میں تو نسخ نہیں ہو سکتا بلکہ نسخ تو احکام میں ہوتا ہے اور یہ خبر تو منسوخ نہیں ہو سکتی یہ تو اب بھی ہے کہ اگر اتنے عدد مذکور پکے مسلمان اتنے کفار کے ساتھ جنگ کریں تو اللہ فتح دے گا اس لیے شاہ عبد القادر صاحب نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہزار مسلمانوں نے اسی ہزار کفار سے لڑائی کی تھی اور فاتح بن گئے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت منسوخ نہیں ہو سکتی اگر کہیں کہ پہلے کو دو سو کفار کے ساتھ جنگ کرنا فرض تھا وہ منسوخ ہو گیا ہو گا۔[32]

3- اِنَّا أَحَلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ کی تطبیق

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا أَحَلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَامَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّا آفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ۔[33] کو لَایَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ ۔[34] کے ساتھ منسوخ کیا ہے جو اسی رکوع میں ہے۔

شاہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں اس بات کا احتمال ہے کہ اس آیت میں ناسخ تلاوت میں مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی ظاہر ہے۔[35]

شیخ حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت کے منسوخ ہونے کا دار و مدار اس پر ہے کہ مِنْ بَعْدُ کے معنی کیا ہیں؟ عام طور پر اس کا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ اب جو عورتیں آپ کے نکاح میں ہیں ان کے علاوہ کسی دوسری عورت سے آپ نکاح نہیں کر سکتے حالانکہ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ۔ سے عورتوں کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں اور مِنْ بَعْدُ کا معنی یہ ہے کہ ماسوا ان چار اقسام کے حلال نہیں یعنی شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قرآن کے ترجمہ میں کہا ہے پس معلوم ہوا کہ الفوز الکبیر میں اس آیت کا منسوخ ہونا مان لیا ہے اور ترجمہ میں اس کے نسخ کو اٹھا دیا ہے۔

4۔ آیت مجادلہ کی تطبیق

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا انَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاکُمْ صَدَقَۃً۔[36]

"مومنو! جب تم پیغمبر کے ساتھ کوئی سرگوشی کرو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو"۔ کو فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ.[37] یعنی "پھر جب تم نے (ایسا) نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا"۔ سے منسوخ کہا گیا ہے۔[38]

شیخ حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اول آیت سے صدقہ دینے کا جو علم ثابت ہوتا ہے وہ وجوبی حکم نہ تھا جس کا قرینہ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ہے کیونکہ صدقہ کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ منافق زیادہ مشورے نہ کریں پس جب حکم وجوبی نہ ہوا بلکہ حکم استحبابی ہوا تو نسخ نہ ہوا۔[39]

5۔ آیت سورہ مزمل کی تطبیق

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ0قُمِ الَّيْلَ اِلَّاقَلِيْلًا0نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا0اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا[40] یعنی "اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کر مگر تھوڑا سا حصہ۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دے، یا اس پر کچھ زیادہ کر لے اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن کریم کی تلاوت کر"۔

اس آیت کو فَاقْرَءُ وَامَا تَيَسَّرَ مِنْهُ[41] سے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔[42]

شیخ حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: نسخ کا مدار اس پر ہے کہ پہلی آیت سے حکم وجوبی مانیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قُمِ الَّيْلَ اِلَّاقَلِيْلًا کا معنیٰ مگر کسی رات کیا ہے اور کوئی وجوبی حکم انھوں نے نہیں لگایا اور شیخ حسین علی صاحبؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ حکم استحبابی ہے بقرنیہ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کے، کیونکہ اگر حکم وجوبی ہوتا تو تمام پر ہوتا کسی ایک خاص طائفہ پر نہ ہوتا۔[43]

نتیجہ بحث

زیر نظر مضمون میں بتایا گیا ہے کہ وقوع نسخ پر اتفاق کے بعد اہل تفسیر میں نسخ کے مفہوم میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین کے ہاں اس کی تفصیلات مختلف ملتی ہیں اور حتی کہ منسوخ آیات کی تعداد میں بھی بہت زیادہ اختلاف ہے۔ کہاں متقدمین میں قرآن میں پانچ سو منسوخ آیات کی واضح فہرست کا ملنا اور کہاں متاخرین میں اس تعداد کو بیس سے کم میں محدود کر دینا اور پھر کہاں حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں صرف چار آیات کو منسوخ ماننا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تصور نسخ کوئی جامد تصور نہیں تھا بلکہ یہ ایک ارتقاپذیر فکری ورثہ تھا اور اپنے سفر ارتقا میں جیسے جیسے اس پر نکھار آتا گیا اس کا دائرۂ اثر بھی سکڑتا گیا اور اسی کے منطقی نتیجہ کے طور پر منسوخ آیات کی اس فہرست نے لازمی طور پر ایک دن ختم ہو جانا تھا اور اس فہرست کے خاتمے کا یہ انقلابی اعلان مولانا حسین علی کے حصے میں آیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ وہ وقوع نسخ کا ہی انکار کر رہے ہیں کہ یہ قرآنی آیت ما ننسخ من آیۃ (البقرہ) کے ساتھ ساتھ بہت سی واضح، صریح اور صحیح احادیث کے بھی انکار کے مترادف ہے، جس کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی اور ان جیسے عبقری عالم سے اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ ان کی پیش کردہ فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1- صحیح احادیث میں تلاوت اور حکم دونوں کے نسخ کا وجود جیسے مروی ہے اسے علی حالہ تسلیم کیا جائے۔ وہ اس پر کوئی بحث نہیں کرتے۔

2- قرآن میں موجود جن آیات کو منسوخ کہا جاتا ہے ان کے نسخ مطلق یا نسخ کلی کا دعویٰ درست نہیں، بلکہ ان کی ایسی تفسیر کی جاسکتی ہے جس کی رو سے ان کا حکم بعض خاص حالات یا شرائط کے ساتھ مقید مانا جائے اور یہ وہ اصول ہے جس کی بنیاد متقدمین اور متاخرین دونوں میں عام بھی ہے اور اتفاقی بھی۔

اس طرح ان کی فکر پر تحقیقی بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قرآن کریم میں نسخ کے حوالے سے نسخ حقیقی (نسخ مطلق یا نسخ کلی) کے قائل نہیں۔ یعنی قرآن کریم میں ایسی آیات کا موجود ہونا جن کا حکم منسوخ ہو۔ اگر اس طرح مانا جائے تو پھر قرآن کریم پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) یہ کیسی کتاب ہے جس میں چند آیات تو موجود ہیں مگر ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا حکم منسوخ ہے۔ یوں مولانا نسخ فی القرآن کی ایسی تعبیر پیش کرتے ہیں کہ آیت بھی منسوخ تصور نہ ہو اور اس آیت میں موجود حکم کی ایسی تعبیر بھی پیش کی جائے کہ منطوق قرآنی پر بھی عمل ہو جائے۔ لہٰذا مولانا کے نزدیک نسخ فی القرآن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جو کلی طور پر منسوخ ہو۔

حواشی وحوالہ جات

[1])الازھری، محمد منصور بن احمد، تہذیب اللغۃ، دارالمعرفۃ، بیروت لبنان، ۲۰۰۱، ج۷، ص۸۴۔

[2])الاعراف، ۱۵۴:۷

[3])الجاثیۃ، ۴۵:۲۹

[4])الحج، ۲۲: ۵۲

[5])ملاءالدین، عبدالعزیز احمد بن محمد البخاری، کشف الاسرار عن اصول البزدوی، مطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ العثمانیہ، سن ۱۳۰۸، ج۳، ص۲۹۹- ۳۰۰۔

[6])سورۃ البقرۃ، ۲: ۱۰۶

[7])سورۃ النحل:۱۶: ۱۰۱

[8])ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاویٰ، دارالوفاء، طبعۃ ثالثہ، سن ۲۰۰۵، کتاب التفسیر، ج۱، ص۴۷۔

[9])سورۃ آل عمران:۳: ۱۰۲

[10])سورۃ الحج ۲۲: ۷۸

[11])سورۃ التغابن ۶۴: ۱۶

[12])سورۃ البقر ۲: ۲۸۴

[13])سورۃ البقرۃ ۲: ۲۸۶

[14])ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاویٰ، دارالوفاء، طبعۃ ثالثہ، سن ۲۰۰۵، کتاب التفسیر، ج۱، ۱۴: ۴-۴۸

[15])ابن الجوزی، محمد بن ابی بکر، أعلام الموقعین عن رب العلمین، دارابن الجوزی، سن ۲۰۰۸، ص ۳۲-۳۷

[16])شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، الفوز الکبیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن ۲۰۰۶، ص۳۹- ۴۰، ۷۷

[17])محمد یوسف بینوری، یتیمۃ البیان فی شی من علوم القرآن، اسلامی کتب خانہ بینوری ٹاؤن کراچی ص:۱۳۹-۱۴۰

[18])مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، مکتبۃ المعارف، کراچی، سن ۱۹۹۸، ج۱، ص۲۸۵- ۲۸۶

[19])سورۃ البقرۃ ۲: ۱۸۰

[20])سورۃ النساء ۴: ۱۱

[21])سورۃ النساء ۴: ۱۲

[22])محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، طبعۃ اولیٰ، سن ۲۰۰۸، کتاب الوصایا، (۴۳) باب لاوصیۃ لوارث [۲] حدیث: ۲۷۱۴

[23])جلال الدین سیوطی، جلال الدین محلی، تفسیر الجلالین، مکتبۃ زمزم پبلیشرز، کراچی، سن ۲۰۰۳، ص۳۷/ الفوز الکبیر، ص۴۴

[24])النسفی، عبداللہ بن محمود، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۷، ج۱، ص۱۳۱

[25])الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی التفسیر القرآن، دارالمعرفۃ بیروت، طبعۃ تانیہ، ۲۰۰۳، ج۲، ص۱۴۱

[26])ایضاً ص۱۲۲

[27])القرطبی، محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب العلمیۃ بیروت، طبعۃ ثانیہ، ۲۰۰۵، ج۲، ص۲۵۸- ۲۵۹

[28])مولانا حسین علی، بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، مکتبہ اخوت، لاہور، ص۲۱

[29])سورۃ الانفال ۸: ۶۵

[30])سورۃ الانفال ۸: ۶۵

[31]) تفسیر الجلالین، ص۷۲۳-۴۲۴ / الفوز الکبیر، ص۴۲

[32] مولانا حسین علی، بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، ص۲۱

[33])سورۃ الاحزاب۳۳: ۵۰

[34])سورۃ الاحزاب۳۳: ۵۲

[35])شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، الفوز الکبیر، ص۴۷

[36])سورۃ المجادلۃ۵۸: ۱۲

[37])ایضاً۔

[38] شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، الفوز الکبیر، ص۴

[39] مولانا حسین علی، بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، ص۲۲

[40])سورۃ المزمل۷۳: ۱-۳

[41])سورۃ المزمل۷۳: ۲۰

[42])شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، الفوز الکبیر، ص۴۷- ۴۸

[43] مولانا حسین علی، بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان، ص۲۲